Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 02, April - June 2026, **PP**: 370-384
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

عالمی سرمایہ دارانہ نظام اور اسلامی اقتصادی متبادل: ایک تقابلی و تنقیدی مطالعہ

Global Capitalism and the Islamic Economic Alternative: A Comparative and Critical Study

1. Dr. Kiran Shahzadi — *School Education Department, Punjab.*
wfaabbas725@gmail.com

How to Cite:	Dr. Kiran Shahzadi. 2026: "Global Capitalism and the Islamic Economic Alternative: A Comparative and Critical Study". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (02): 370-384.
Article History:	**Received**: 15-05-2026	**Accepted**: 29-06-2026	**Published**: 30-06-2026
Copyright:	**©The Authors**
Licensing:	This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.
Conflict of Interest:	Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

عالمی سرمایہ دارانہ نظام اور اسلامی اقتصادی متبادل: ایک تقابلی و تنقیدی مطالعہ

Global Capitalism and the Islamic Economic Alternative: A Comparative and Critical Study

Dr. Kiran Shahzadi
School Education Department, Punjab.
wfaabbas725@gmail.com

Abstract

The dominance of the capitalist system on the global economic landscape is not merely an economic reality but an intellectual and institutional structure that has distributed the world's wealth and resources with striking inequality. This paper offers a detailed critical analysis of the foundational theoretical principles of capitalism like private property, the profit motive, and laissez-faire, alongside its operative pillars: interest (riba), paper currency, the fractional reserve system, banking, taxation, international trade, corporations, insurance companies, the stock market, the foreign exchange market, privatization, national debt, and the national budget. It also briefly reviews the basic tenets and limitations of socialism. The paper highlights, in particular, how the prevailing global economic order operating through international financial institutions such as the IMF, the World Bank, and the WTO, perpetuates the exploitation of the resources, labour, and industrial potential of Third World countries, keeping them locked in a cycle of dependency and under-development. Against this critical backdrop, the paper presents the Islamic economic system as a theoretical and practical alternative grounded in limited private ownership, the prohibition of riba coupled with profit-and-loss sharing, the mandatory circulation of wealth through Zakat and Bait-ul-Mal, and justice-based trade. Following a comparative examination of capitalism, socialism, and Islam, the paper concludes with a practical outline for Islamic economic planning and a set of policy recommendations.

Keywords: *Capitalism, Socialism, Islamic Economic System, Riba (Interest), International Financial Institutions.*

تمہید

بیسویں اور اکیسویں صدی کی عالمی معیشت پر سرمایہ دارانہ نظام کا غلبہ ایک نمایاں اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ جدید دنیا کے معاشی، تجارتی اور مالیاتی معاملات بڑی حد تک اسی نظام کے اصولوں کے تحت چل رہے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد نجی ملکیت، آزاد منڈی، مسابقت، سرمایہ کاری اور زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول پر قائم ہے۔ اس نظام نے صنعتی انقلاب، جدید ٹیکنالوجی، پیداوار میں اضافے اور تجارت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا اور دنیا کو معاشی ترقی کے بہت سے نئے مواقع فراہم کیے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ دولت اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم، سرمایہ کے چند ہاتھوں میں ارتکاز، امیر اور غریب طبقات کے درمیان بڑھتا ہوا فرق اور کمزور معاشروں کے معاشی استحصال جیسے مسائل بھی پیدا ہوئے۔ بالخصوص عالمی سطح پر طاقتور معاشی ریاستوں اور بڑے مالیاتی اداروں نے ایسے معاشی ڈھانچے تشکیل دیے جن سے ترقی یافتہ ممالک کو زیادہ فوائد حاصل ہوئے جبکہ ترقی پذیر اور غریب ممالک کئی صورتوں میں قرضوں، معاشی انحصار اور وسائل کے مسلسل استعمال کے مسائل سے دوچار رہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے ردعمل میں اشتراکی نظام سامنے آیا جس نے نجی ملکیت کے بجائے اجتماعی ملکیت، ریاستی کنٹرول اور طبقاتی مساوات کو اپنی بنیادی ترجیحات قرار دیا۔ اس نظام نے معاشی نابرابری اور سرمایہ دارانہ استحصال کے خاتمے کا دعویٰ کیا لیکن عملی طور پر ریاستی اجارہ داری، معاشی آزادی میں کمی اور فرد کی معاشی سرگرمیوں پر زیادہ پابندیوں نے ایک مختلف نوعیت کے مسائل کو جنم دیا۔ اس طرح سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں نے معاشی مسائل کے حل کے لیے مختلف راستے اختیار کیے لیکن دونوں نظاموں کے تجربات سے یہ سوال اپنی جگہ موجود رہا کہ ایسا معاشی نظام کون سا ہو سکتا ہے جو ایک طرف فرد کو جائز معاشی سرگرمی، ملکیت اور محنت کی آزادی دے اور دوسری طرف دولت کے ارتکاز، استحصال اور معاشی ناانصافی کو بھی روکے؟

اسلام اس حوالے سے ایک متوازن معاشی نظام پیش کرتا ہے جو نہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح منافع اور نجی ملکیت کو غیر محدود آزادی دیتا ہے اور نہ اشتراکی نظام کی طرح فرد کی ملکیت اور معاشی آزادی کو بنیادی طور پر محدود کرتا ہے۔ اسلامی معاشی نظام نجی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اخلاقی اور شرعی حدود کا پابند بناتا ہے تجارت اور منافع کو جائز قرار دیتا ہے لیکن سود، دھوکا، احتکار، قمار، ناجائز منافع خوری اور استحصال کی مختلف صورتوں سے روکتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ، صدقات، وراثت اور دیگر معاشی احکام کے ذریعے دولت کی گردش کو یقینی بنانے اور معاشرے کے کمزور طبقات کے حقوق کے تحفظ پر زور دیتا ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی معاشی فکر میں فرد کی معاشی آزادی اور اجتماعی فلاح کے درمیان ایک ایسا توازن نظر آتا ہے جو سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے بعض بنیادی مسائل کا متبادل فراہم کرتا ہے۔

موجودہ عالمی معاشی نظام کا جائزہ لیا جائے تو سودی مالیاتی نظام، کاغذی اور برقی کرنسی، بینکاری کا موجودہ ڈھانچہ، بازارِ حصص، صرافہ بازار، عالمی تجارت اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے اس نظام کے اہم ادارے اور ذرائع بن چکے ہیں۔ ان اداروں نے عالمی تجارت اور سرمایہ کاری کو وسعت دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے لیکن ان کے بعض طریقۂ کار اور اثرات پر معاشی اور اخلاقی دونوں پہلوؤں سے سوالات بھی اٹھائے جاتے ہیں۔ خصوصاً ترقی پذیر ممالک کے لیے بیرونی قرضوں، سودی ادائیگیوں، کرنسی کی قدر میں اتار چڑھاؤ اور عالمی مالیاتی پالیسیوں پر انحصار نے معاشی خودمختاری کے مسئلے کو زیادہ اہم بنا دیا ہے۔ پاکستان جیسے ممالک میں یہ صورت حال اس سوال کو مزید اہم بناتی ہے کہ عالمی معاشی نظام سے وابستگی کے باوجود معاشی خودکفالت، منصفانہ دولت کی تقسیم اور عوامی فلاح کو کس طرح یقینی بنایا جا سکتا ہے۔ اسی پس منظر میں یہ مقالہ سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصولوں اور اس کے اہم معاشی اداروں و آلات کا جائزہ لیتا ہے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کہ سود، موجودہ مالیاتی نظام، بینکاری، بازارِ حصص، صرافہ بازار اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے عالمی معیشت کی تشکیل میں کس طرح کردار ادا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اس امر کا بھی جائزہ لیا جائے گا کہ ان نظاموں کے نتیجے میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان معاشی تعلقات کس نوعیت کے ہیں اور پاکستان جیسے ممالک کو قرض، معاشی انحصار اور وسائل کے مسائل کا سامنا کیوں رہتا ہے۔ آخر میں اسلامی معاشی اصولوں کی روشنی میں اس سوال پر غور کیا جائے گا کہ کیا اسلام ایک ایسا قابلِ عمل معاشی متبادل پیش کرتا ہے جو معاشی ترقی کے ساتھ عدل، انسانی فلاح، دولت کی منصفانہ تقسیم اور معاشی خودمختاری کو بھی یقینی بنا سکے۔

سرمایہ دارانہ نظام: تصور، بنیادی اصول اور فکری پس منظر

سرمایہ دارانہ نظام جدید دنیا کا ایک اہم معاشی نظام ہے۔ اس نظام میں زمین، کارخانے، مشینیں، کاروباری ادارے اور دوسرے ذرائع پیداوار عموماً افراد یا نجی اداروں کی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ افراد کو اپنی ملکیت میں موجود وسائل کو کاروبار اور سرمایہ

کاری کے لیے استعمال کرنے اور اس سے نفع حاصل کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس نظام میں معاشی فیصلوں کے لیے منڈی کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور اشیا کی قیمتیں بڑی حد تک طلب و رسد اور مسابقت کے ذریعے طے ہوتی ہیں۔ اس طرح سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی خصوصیات میں نجی ملکیت، معاشی آزادی، منافع کا حصول، مسابقت اور آزاد منڈی کو اہم مقام حاصل ہے۔[1]

سرمایہ دارانہ نظام کی سب سے اہم بنیاد نجی ملکیت ہے۔ اس نظام میں فرد کو اپنی محنت، سرمایہ اور کاروباری صلاحیت کے ذریعے مال کمانے، اسے اپنی ملکیت میں رکھنے اور اسے کاروباری سرگرمیوں میں استعمال کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ فکر کے مطابق نجی ملکیت انسان کو محنت، سرمایہ کاری اور کاروبار کی طرف متوجہ کرتی ہے کیونکہ اسے اپنی محنت اور سرمایہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فائدے سے براہِ راست فائدہ پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں فرد کی معاشی آزادی اور ملکیت کے حق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔[2]

سرمایہ دارانہ نظام کی دوسری نمایاں خصوصیت منافع کا محرک ہے۔ کاروباری شخص عموماً اس مقصد سے سرمایہ لگاتا ہے کہ اسے اس سرمایہ سے نفع حاصل ہو۔ نفع کی یہ خواہش کاروباری سرگرمی، سرمایہ کاری، پیداوار میں اضافے اور مسابقت کا سبب بن سکتی ہے۔ تاہم جب نفع کا حصول ہر اخلاقی اور سماجی پابندی سے آزاد ہو جائے تو اس کے منفی نتائج بھی سامنے آسکتے ہیں۔ مثلاً زیادہ منافع کے لیے مزدوروں کا کم معاوضہ، صارفین سے ناجائز فائدہ اٹھانا، اجارہ داری قائم کرنا یا ضروری اشیا کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کرنا معاشرتی ناانصافی کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے سرمایہ دارانہ نظام کے بارے میں بحث کرتے وقت اس کے معاشی فوائد کے ساتھ اس کے اخلاقی اور معاشرتی اثرات کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔[3]

سرمایہ دارانہ نظام کا ایک اہم اصول آزاد منڈی ہے۔ اس تصور کے مطابق افراد اور کاروباری اداروں کو اپنی معاشی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے اور پیداوار، تجارت اور قیمتوں کا تعین بڑی حد تک منڈی کی قوتوں پر چھوڑ دیا جائے۔ اسی فکر سے Laissez-Faire یعنی معاشی معاملات میں حکومت کی کم سے کم مداخلت کا تصور پیدا ہوا۔ اس تصور کے مطابق اگر منڈی میں مسابقت موجود ہو تو طلب و رسد کی قوتیں معاشی سرگرمیوں میں ایک خاص توازن پیدا کر سکتی ہیں۔ تاہم عملی طور پر جدید ریاستوں میں مکمل عدمِ مداخلت قائم نہیں رہی کیونکہ اجارہ داری، مزدوروں کے حقوق، صارفین کے تحفظ، مالیاتی بحران اور دیگر معاشی مسائل کے باعث حکومتوں کو منڈی میں مختلف صورتوں میں مداخلت کرنا پڑتی ہے۔[4]

سرمایہ دارانہ فکر کی تشکیل میں ایڈم اسمتھ کا کردار بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ ان کی معروف کتاب An Inquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations جو 1776ء میں شائع ہوئی، میں انہوں نے محنت کی تقسیم، پیداوار، تجارت، قیمت، سرمایہ اور معاشی سرگرمی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی۔ اسمتھ کے نزدیک جب افراد اپنے معاشی مفاد کے حصول کے لیے آزادانہ طور پر کام کرتے ہیں تو بعض حالات میں ان کی یہ سرگرمیاں مجموعی معاشی پیداوار اور معاشرتی فائدے میں بھی اضافہ کر سکتی ہیں۔ اسی سلسلے میں ان کا مشہور تصور "Invisible Hand" یعنی "دستِ غیب" سامنے آتا ہے۔[5] یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایڈم اسمتھ کے نظریے کو صرف "حکومت کی مکمل عدمِ مداخلت" کے نظریے تک محدود کرنا درست نہیں۔ اسمتھ نے ریاست کی بعض ذمہ داریوں، انصاف کے قیام اور ایسے کاموں کی ضرورت کو بھی تسلیم کیا جنہیں افراد یا نجی ادارے مناسب طور پر انجام نہ دے سکیں۔ اس لیے علمی اعتبار سے سرمایہ دارانہ فکر کو سمجھتے ہوئے اسمتھ کے پورے معاشی تصور کو سامنے رکھنا ضروری ہے، نہ کہ صرف "دستِ غیب" یا آزاد منڈی کے تصور کو بنیاد بنا کر ان کے پورے نظریے کی ترجمانی کی جائے۔[6]

سرمایہ دارانہ نظام پر اہم تنقید کارل مارکس 1883–1818ء نے کی۔ مارکس کے نزدیک سرمایہ دارانہ معاشرے میں ذرائع پیداوار رکھنے والے افراد اور اپنی محنت فروخت کرنے والے مزدوروں کے درمیان بنیادی معاشی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دار طبقہ پیداوار کے ذرائع کا مالک ہوتا ہے جبکہ مزدور اپنی محنت کے بدلے اجرت حاصل کرتے ہیں۔ مارکس نے اس معاشی تقسیم کو طبقاتی کشمکش کا بنیادی سبب قرار دیا اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ اور دولت کے ارتکاز کے نتیجے میں سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان اختلاف بڑھتا ہے۔[7] اسلامی مفکرین نے سرمایہ دارانہ نظام کو اس کے معاشی اصولوں کے ساتھ ساتھ اس کے اخلاقی اور معاشرتی نتائج کے اعتبار سے بھی دیکھا ہے۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی نے سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید کرتے ہوئے سود، دولت کے ارتکاز اور معاشی سرگرمی کو اخلاقی حدود سے آزاد رکھنے کے نتائج کو خاص اہمیت دی۔ ان کے نزدیک اسلام دولت کمانے اور نجی ملکیت کو مکمل طور پر ختم نہیں کرتا بلکہ ملکیت اور معاشی سرگرمی کو جائز حدود کے اندر رکھتا ہے۔ اسلام کے نزدیک مال انسان کے لیے ایک ذمہ داری بھی ہے اس لیے اس کے حصول اور استعمال میں شریعت کی پابندی ضروری ہے۔[8]

مفتی محمد تقی عثمانی نے بھی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی معاشی نظاموں کا اسلامی نظامِ معیشت کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ ان کے ہاں سرمایہ دارانہ نظام کی بحث میں نجی ملکیت، معاشی آزادی، نفع کے حصول، سود اور جدید مالیاتی اداروں جیسے موضوعات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ اسلام نجی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اسے غیر محدود حق نہیں سمجھتا۔ اسلامی قانون میں ملکیت کے ساتھ حقوق و فرائض بھی وابستہ ہیں اور ایسے معاشی طریقے جو دوسروں کے استحصال یا معاشی ناانصافی کا ذریعہ بنیں ان کی اجازت نہیں دی جاتی۔[9]

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری نے سرمایہ دارانہ نظام کو صرف ایک معاشی طریقہ نہیں سمجھا بلکہ اس کے فکری اور تہذیبی پس منظر پر بھی گفتگو کی ہے۔ ان کے نزدیک سرمایہ دارانہ معاشرے کو سمجھنے کے لیے اس میں فرد، آزادی، ملکیت اور ذاتی مفاد کے تصور کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس نقطۂ نظر سے سرمایہ دارانہ نظام صرف اس سوال کا جواب نہیں دیتا کہ دولت کیسے پیدا کی جائے بلکہ یہ بھی متعین کرتا ہے کہ انسان اپنی معاشی زندگی میں کن اصولوں کو بنیادی حیثیت دے۔ اسی وجہ سے اسلامی مفکرین سرمایہ دارانہ نظام کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے معاشی اصولوں کے ساتھ اس کے اخلاقی اور فکری اثرات کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں۔[10]

مختصراً یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام کو صرف "سرمایہ" یا "منافع" کے نظام کے طور پر سمجھنا کافی نہیں۔ اس کی بنیاد نجی ملکیت، فردی معاشی آزادی، منافع کا محرک، آزاد منڈی اور مسابقت جیسے اصولوں پر قائم ہے۔ ایڈم اسمتھ نے اس نظام کی کلاسیکی معاشی فکر کو مضبوط بنیاد فراہم کی کارل مارکس نے اس کے طبقاتی اور معاشی اثرات پر شدید تنقید کی جبکہ اسلامی مفکرین نے اسے اسلامی اصولِ عدل، اخلاق اور اجتماعی فلاح کی روشنی میں پرکھا۔ اس لیے سرمایہ دارانہ نظام کا جامع مطالعہ اس وقت مکمل ہوتا ہے جب اس کے معاشی فوائد کے ساتھ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی معاشی ناہمواری، دولت کے ارتکاز، سودی نظام اور معاشرتی اثرات کو بھی سامنے رکھا جائے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے عملی ستون: تنقیدی تجزیہ

سرمایہ دارانہ نظام صرف چند نظری اصولوں کا نام نہیں بلکہ اس کے پیچھے مختلف مالیاتی، تجارتی اور معاشی اداروں کا ایک وسیع نظام موجود ہے۔ بینک، سودی قرض، موجودہ مالیاتی نظام، بازارِ حصص، صرافہ بازار، بیمہ، کارپوریشنیں، ٹیکس کا نظام، قومی قرضے اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے جدید سرمایہ دارانہ معیشت کے اہم حصے ہیں۔ ان اداروں میں سے بعض خود سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی خصوصیات کا نتیجہ ہیں جبکہ بعض جدید ریاستی اور عالمی مالیاتی نظام کے ساتھ مل کر اس نظام کو چلاتے ہیں۔ اس لیے سرمایہ دارانہ نظام

کے اثرات کو سمجھنے کے لیے صرف اس کے نظری اصولوں کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ ان عملی اداروں اور طریقۂ کار کا جائزہ بھی ضروری ہے جن کے ذریعے سرمایہ، قرض، تجارت اور دولت کی گردش عمل میں آتی ہے۔

سود (ربا)

سود جدید سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام کا ایک اہم حصہ ہے خصوصاً روایتی بینکاری اور قرض کے نظام میں۔ بینک اور دوسرے مالیاتی ادارے قرض فراہم کرتے ہیں اور اس قرض پر مقررہ شرح کے مطابق سود وصول کرتے ہیں۔ اس طریقے میں قرض لینے والے کو اصل رقم کے ساتھ ایک اضافی رقم بھی ادا کرنا پڑتی ہے خواہ اس کی کاروباری سرگرمی کو نفع حاصل ہو یا نقصان۔ اسلامی معاشی فکر نے اسی پہلو کو بنیادی اہمیت دیتے ہوئے سود کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ قرض پر پہلے سے طے شدہ اضافہ قرض دینے والے کے لیے یقینی اور قرض لینے والے کے لیے لازم ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے واضح طور پر فرمایا:

"وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" [11]

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

تاہم یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام "مکمل طور پر" سود پر قائم ہے کیونکہ جدید سرمایہ داری میں غیر سودی سرمایہ کاری، براہِ راست سرمایہ کاری اور دیگر مالیاتی طریقے بھی موجود ہیں البتہ روایتی بینکاری اور قرض پر مبنی مالیاتی نظام میں سود کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

کاغذی اور برقی کرنسی

جدید سرمایہ دارانہ معیشت میں کرنسی کا نظام بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ تاریخی طور پر بہت سے معاشروں میں سونا اور چاندی بطور زر استعمال ہوتے رہے لیکن جدید دور میں زیادہ تر ممالک نے کاغذی اور پھر برقی یا ڈیجیٹل شکل میں موجود قومی کرنسی کو بنیادی ذریعۂ تبادلہ بنالیا ہے۔ آج بینک کھاتوں میں موجود رقم کا بڑا حصہ کاغذی نوٹوں کی شکل میں نہیں بلکہ الیکٹرانک اندراجات کی صورت میں ہوتا ہے۔ مرکزی بینک کرنسی کی مقدار، شرحِ سود اور مالیاتی پالیسی کے ذریعے ملکی معیشت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے جدید مالیاتی نظام میں کرنسی صرف خرید و فروخت کا ذریعہ نہیں بلکہ معاشی پالیسی کا ایک اہم آلہ بھی بن چکی ہے۔[12]

بینکوں میں جزوی ذخائر اور قرض کی تخلیق

جدید بینکاری نظام میں بینک صرف پہلے سے موجود نقد رقم کو ایک شخص سے لے کر دوسرے شخص کو قرض نہیں دیتے بلکہ قرض فراہم کرنے کے عمل کے ذریعے بینک ڈپازٹس بھی پیدا کرتے ہیں۔ اس عمل کو عام طور پر Deposit Creation یا Credit Creation کہا جاتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ بینک ہر صورت میں اپنے پاس موجود نقد رقم سے کئی گنا زیادہ رقم قرض دیتے ہیں، موجودہ جدید بینکاری کی مکمل اور درست تصویر نہیں ہے۔ جدید مرکزی بینکاری کے نظام میں بینکوں کی قرض دینے کی صلاحیت سرمایہ، ضابطہ جاتی شرائط، خطرات اور قرض کی طلب سمیت کئی عوامل سے متاثر ہوتی ہے۔[13] اسلامی مالیاتی نظام میں اس کے مقابلے میں قرض کو بنیادی طور پر قرضِ حسن اور تعاون کے اصول سے دیکھا جاتا ہے، جبکہ کاروباری سرمایہ کاری کے لیے نفع و نقصان میں شرکت اور دیگر شرعی طریقوں کو اختیار کیا جاتا ہے۔

بینکاری نظام

بینک جدید معیشت میں بچت، سرمایہ کاری، ادائیگیوں، قرضوں اور مالیاتی خدمات کے لیے بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ روایتی بینک عام طور پر لوگوں اور اداروں سے رقوم جمع کرتے ہیں اور مختلف افراد و کاروباری اداروں کو قرض فراہم کرتے ہیں۔ قرض

پر حاصل ہونے والا سود اور مختلف مالیاتی خدمات سے حاصل ہونے والی آمدنی بینکوں کے مالیاتی کاروبار کا حصہ بنتی ہے۔ مرکزی بینک اس پورے نظام کی نگرانی کرتا ہے اور شرحِ سود، نقدی کی فراہمی اور دیگر مالیاتی پالیسیوں کے ذریعے ملکی معیشت پر اثر ڈالتا ہے۔[14] اسلامی معاشی نظام میں بینکاری کے لیے سود کے بجائے مضاربہ، مشارکہ، مرابحہ، اجارہ اور دیگر شرعی طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں اگرچہ ان طریقوں کی عملی صورتوں کا شرعی جائزہ الگ سے ضروری ہے۔

محصولات (ٹیکس)

ٹیکس جدید ریاستی نظام کا ایک بنیادی ذریعۂ آمدنی ہے۔ حکومتیں ٹیکس کے ذریعے عوام اور کاروباری اداروں سے آمدنی حاصل کرتی ہیں اور اس رقم کو دفاع، تعلیم، صحت، انفراسٹرکچر، انتظامیہ اور دیگر عوامی خدمات پر خرچ کرتی ہیں۔ اس لیے ٹیکس کو صرف سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار قرار دینا درست نہیں کیونکہ قدیم اور جدید مختلف قسم کی ریاستوں میں محصولات کا نظام موجود رہا ہے۔ البتہ جدید معیشت میں بالواسطہ ٹیکس، مثلاً سیلز ٹیکس اور ویلیو ایڈڈ ٹیکس، عام صارفین پر بھی اثر ڈالتے ہیں اور کم آمدنی والے طبقات پر ان کا بوجھ نسبتاً زیادہ پڑ سکتا ہے۔ اسی طرح جب حکومتی اخراجات آمدنی سے زیادہ ہو جائیں تو حکومت کو قرض لینے کی ضرورت پیش آسکتی ہے جس سے قومی قرض میں اضافہ ہوتا ہے۔[15] اسلامی معاشی نظام میں بھی ریاست کو بعض حالات میں محصولات وصول کرنے کا اختیار حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ عدل، ضرورت، استطاعت اور عوامی مصلحت کے اصول وابستہ ہیں۔ زکوٰۃ اسلامی مالیاتی نظام کا بنیادی فریضہ ہے جبکہ بیت المال ریاستی آمدنی اور عوامی اخراجات کے نظم میں اہم ادارہ رہا ہے۔[16]

بین الاقوامی تجارت اور کرنسی کی عالمی حیثیت

موجودہ عالمی تجارت میں امریکی ڈالر کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ڈالر نہ صرف امریکہ کی قومی کرنسی ہے بلکہ بین الاقوامی تجارت، مرکزی بینکوں کے زرمبادلہ کے ذخائر، بین الاقوامی قرضوں اور عالمی مالیاتی لین دین میں بھی وسیع پیمانے پر استعمال ہوتا ہے۔ تاہم یہ کہنا کہ عالمی تجارت کا تقریباً 89 فیصد حصہ ڈالر میں ہوتا ہے، درست نہیں، کیونکہ مختلف اعداد مختلف قسم کے مالیاتی لین دین کے حوالے سے بیان کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بین الاقوامی زرمبادلہ کے بازار میں ڈالر کا حصہ بہت نمایاں ہے جبکہ عالمی تجارت میں اس کا حصہ اس سے مختلف ہے۔ اس لیے تحقیقی تحریر میں "89 فیصد عالمی تجارت" کے بجائے یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ امریکی ڈالر عالمی مالیاتی اور تجارتی نظام کی سب سے اہم ریزرو اور لین دین کی کرنسیوں میں سے ایک ہے۔[17]

عالمی تجارت کے ادارہ جاتی ڈھانچے میں General Agreement on Tariffs and Trade (GATT) اور بعد ازاں World Trade Organization (WTO) کا اہم کردار رہا ہے۔ GATT 1947ء میں قائم ہوا، جبکہ WTO نے 1995ء میں اس کی جگہ ایک باقاعدہ عالمی تجارتی تنظیم کے طور پر کام شروع کیا۔ ان اداروں کا بنیادی مقصد عالمی تجارت کے لیے قواعد بنانا، تجارتی رکاوٹوں میں کمی لانا اور ممالک کے درمیان تجارتی تنازعات کے حل کے لیے ایک ادارہ جاتی نظام فراہم کرنا تھا۔ تاہم ترقی پذیر ممالک کی طرف سے یہ تنقید بھی کی جاتی رہی ہے کہ عالمی تجارتی قواعد کا عملی اثر ہمیشہ تمام ممالک کے لیے یکساں نہیں ہوتا اور بعض شعبوں میں ترقی یافتہ ممالک کو زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔[18]

کارپوریشن اور بیمہ کمپنیاں

جدید سرمایہ دارانہ معیشت میں کارپوریشنیں بڑے پیمانے پر سرمایہ جمع کرنے، پیداوار کرنے اور عالمی سطح پر کاروبار

پھیلانے کا اہم ذریعہ ہیں۔ کارپوریشن میں ملکیت حصص کی صورت میں تقسیم ہو سکتی ہے اور فیصلہ سازی کمپنی کے قوانین، بورڈ آف ڈائریکٹرز اور حصص یافتگان کے حقوق کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ ہر صورت میں صرف 51 فیصد حصص رکھنے والا فرد ہی تمام فیصلے کرتا ہے فیصلہ سازی کمپنی کے قانونی ڈھانچے اور حصص کی نوعیت کے مطابق مختلف ہو سکتی ہے۔ بڑی کارپوریشنوں کا فائدہ یہ ہے کہ وہ بڑے پیمانے پر سرمایہ اور وسائل کو ایک جگہ جمع کر سکتی ہیں لیکن ان کے بارے میں یہ تنقید بھی کی جاتی ہے کہ معاشی طاقت کے زیادہ ارتکاز سے چھوٹے کاروبار اور کمزور فریق متاثر ہو سکتے ہیں۔[19] بیمہ جدید مالیاتی نظام کا ایک الگ اور اہم شعبہ ہے۔ بیمہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ افراد اور ادارے مختلف خطرات کے مقابلے میں مالی تحفظ حاصل کر سکیں۔ بیمہ لینے والا پریمیم ادا کرتا ہے اور معاہدے کی شرائط کے مطابق مخصوص نقصان کی صورت میں کمپنی معاوضہ ادا کرتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ بیمہ کمپنیاں اپنی آمدنی کا "90 فیصد یا اس سے زیادہ" بطور منافع رکھتی ہیں عمومی طور پر درست نہیں۔ بیمہ کمپنیوں کو دعووں کی ادائیگی، انتظامی اخراجات، دوبارہ بیمہ اور دیگر اخراجات بھی برداشت کرنا پڑتے ہیں۔[20]

بازارِ حصص اور صرافہ بازار

بازارِ حصص جدید سرمایہ دارانہ معیشت میں سرمایہ جمع کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ کمپنیاں اپنے حصص جاری کر کے سرمایہ حاصل کرتی ہیں اور سرمایہ کار ان حصص کی خرید و فروخت کے ذریعے کمپنی کی ملکیت میں حصہ حاصل کرتے ہیں۔ بازارِ حصص کا بنیادی مقصد حقیقی کاروباری اداروں کے لیے سرمایہ فراہم کرنا ہے تاہم اس میں حصص کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ اور قلیل مدتی سٹے بازی کے امکانات بھی موجود ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے اسلامی فقہ میں بازارِ حصص کی ہر قسم کی سرگرمی کو یکساں حکم نہیں دیا جاتا بلکہ کمپنی کے کاروبار، حصص کی نوعیت، سودی معاملات اور خرید و فروخت کے طریقے کو الگ الگ دیکھا جاتا ہے۔[21]

صرافہ بازار یا Foreign Exchange Market میں مختلف ممالک کی کرنسیوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ یہ بازار عالمی تجارت کے لیے ضروری ہے کیونکہ ایک ملک کے تاجر اور سرمایہ کار کو دوسرے ملک کی کرنسی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ تاہم کرنسی کی قیمتوں میں تبدیلی سے فائدہ اٹھانے کے لیے کی جانے والی قیاسی یا سٹے بازی کی سرگرمیاں الگ مسئلہ ہیں۔ اسلامی فقہ میں کرنسی کے تبادلے کے لیے بیع الصرف کے مخصوص اصول موجود ہیں جن میں قبضہ اور ادائیگی کی فوری صورت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

نجکاری، قومی قرضہ اور قومی بجٹ

نجکاری سے مراد کسی سرکاری ادارے یا اثاثے کی ملکیت یا انتظام کو نجی شعبے کو منتقل کرنا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں نجکاری کی پالیسیاں مختلف مقاصد کے لیے اختیار کی گئی ہیں، مثلاً سرکاری اداروں کی کارکردگی بہتر بنانا، حکومتی اخراجات کم کرنا اور نجی سرمایہ کاری حاصل کرنا۔ تاہم ترقی پذیر ممالک میں نجکاری کے بعض تجربات پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ اگر شفافیت، مسابقت اور مناسب قیمت کا اہتمام نہ ہو تو قومی اثاثے کم قیمت پر منتقل ہونے اور معاشی طاقت چند اداروں میں جمع ہونے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔[22] قومی قرضہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب حکومت اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے اپنی موجودہ آمدنی سے زیادہ وسائل استعمال کرتی ہے اور اس فرق کو قرض کے ذریعے پورا کرتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں بیرونی قرضے حاصل کرنے کے لیے بعض اوقات بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے معاہدے کیے جاتے ہیں اور ان معاہدوں کے ساتھ مالیاتی اصلاحات، ٹیکس میں اضافہ، سبسڈی میں کمی، سرکاری اخراجات میں کمی یا بعض اداروں کی نجکاری جیسی شرائط وابستہ ہو سکتی ہیں۔ تاہم ہر قرض پروگرام میں ایک جیسی شرائط نہیں ہوتیں اس لیے ہر معاشی اصلاح کو بلا استثنا "مغربی دباؤ" قرار دینا علمی طور پر مناسب نہیں۔ اصل شرائط کا مطالعہ ہر ملک

اور ہر پروگرام کے لحاظ سے الگ کرنا ضروری ہے۔ قومی بجٹ میں حکومت کی آمدنی اور اخراجات کا سالانہ منصوبہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر اخراجات آمدنی سے زیادہ ہوں تو بجٹ خسارہ پیدا ہوتا ہے جسے حکومت داخلی یا خارجی قرض کے ذریعے پورا کر سکتی ہے۔ مسلسل بجٹ خسارہ اور قرض میں اضافہ معیشت پر سودی ادائیگیوں، مالیاتی دباؤ اور آئندہ نسلوں پر قرض کے بوجھ کی صورت میں اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اسلامی معاشی فکر میں اس کے مقابلے میں مالی ذمہ داری، عوامی مفاد، عدل، بیت المال اور وسائل کے درست استعمال کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اسلامی تصور میں قومی وسائل کو حکمران یا چند افراد کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ ایک ذمہ داری اور امانت سمجھا جاتا ہے اس لیے ان کے استعمال میں عوامی مفاد اور شرعی اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔[23]

اسلامی اقتصادی متبادل

اسلامی اقتصادی نظام انسان کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ عدل، امانت، ذمہ داری اور اجتماعی فلاح کو بھی بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ اسلام نہ تو فرد کو اپنی محنت اور جائز تجارت سے مال حاصل کرنے سے روکتا ہے اور نہ دولت کو چند افراد یا طبقوں تک محدود رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ اسی طرح اسلام معاشی سرگرمی کو اخلاقی اور شرعی حدود سے آزاد نہیں چھوڑتا۔ اس نظام میں ملکیت، تجارت، سرمایہ کاری، پیداوار اور دولت کی تقسیم سب کے لیے کچھ اصول مقرر کیے گئے ہیں۔ اسی لیے اسلامی معاشی نظام کو سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مقابلے میں ایک ایسا نظام سمجھا جاتا ہے جو فرد کے معاشی حق اور معاشرے کے اجتماعی مفاد کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

محدود ذاتی ملکیت

اسلام ذاتی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر انسان کے لیے اس کے کمائے ہوئے مال کا ذکر کیا ہے اور تجارت کو جائز قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ"[24]

مردوں کے لیے اس کمائی میں حصہ ہے جو انہوں نے حاصل کی اور عورتوں کے لیے بھی اس کمائی میں حصہ ہے جو انہوں نے حاصل کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام فرد کی جائز کمائی اور ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔ تاہم اسلامی تصورِ ملکیت میں انسان کو مال کا مطلق اور بے قید مالک نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی عطا اور ذمہ داری کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا

"وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ"[25]

انہیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔

اس بنا پر اسلام ذاتی ملکیت کی اجازت دیتے ہوئے اس کے حصول اور استعمال کے لیے شرعی حدود مقرر کرتا ہے۔ چنانچہ حرام ذرائع سے مال کمانا، دوسروں کا مال ناحق کھانا، سود اور دھوکا وغیرہ جائز نہیں۔ اسلامی تصورِ ملکیت کو "مطلق نجی ملکیت" اور "ملکیت کے مکمل خاتمے" کے درمیان ایک متوازن تصور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسلام فرد کو گھر، زمین، کاروبار اور دوسرے جائز اموال رکھنے کا حق دیتا ہے لیکن اس حق کو معاشرتی ذمہ داری سے الگ نہیں کرتا۔ اسی لیے زکوٰۃ، وراثت، صدقات، نفقات اور دیگر احکام کے ذریعے مال کے استعمال اور تقسیم کو منظم کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں دولت کے ارتکاز کے بارے میں فرمایا گیا:

"كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ"[26]

تاکہ مال صرف تمہارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

سود کی حرمت اور نفع ونقصان میں شراکت

اسلامی اقتصادی نظام کی نمایاں خصوصیات میں سود کی حرمت شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا۔ مزید یہ کہ سود کے بارے میں قرآن مجید نے سخت وعید بیان کی ہے اور اہلِ ایمان کو سودی معاملات چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس ممانعت کا تعلق اس بات سے ہے کہ قرض کے معاملے میں قرض دینے والا اصل رقم پر پہلے سے طے شدہ اضافے کا مطالبہ کرتا ہے جبکہ کاروباری سرگرمی میں نفع کا حصول خطرے، محنت اور کاروباری نتیجے سے وابستہ ہوتا ہے۔ اسلامی مالیاتی فکر اسی وجہ سے قرض اور سرمایہ کاری میں فرق کرتی ہے۔ سود کے مقابلے میں اسلامی مالیاتی نظام میں مضاربہ اور مشارکہ جیسے طریقے موجود ہیں۔ مضاربہ میں ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا فریق محنت اور کاروباری انتظام انجام دیتا ہے جبکہ حاصل ہونے والا نفع پہلے سے طے شدہ تناسب کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ عام کاروباری نقصان کی صورت میں سرمایہ کا نقصان سرمایہ فراہم کرنے والے پر ہوتا ہے جبکہ عامل کی محنت ضائع ہوتی ہے بشرطیکہ اس کی طرف سے خیانت یا غفلت نہ ہوئی ہو۔ مشارکہ میں دونوں یا متعدد فریق سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور باہمی معاہدے کے مطابق کاروبار میں شریک ہوتے ہیں۔ اس طرح اسلامی مالیاتی نظام میں سرمایہ کاری کو حقیقی کاروباری سرگرمی اور خطرے کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔[27]

اسلامی مالیاتی نظام میں اجارہ بھی ایک اہم طریقہ ہے۔ اجارہ میں کسی اثاثے کا مالک اس کے استعمال کا حق ایک مقررہ معاوضے کے بدلے دوسرے شخص کو دیتا ہے۔ یہ قرض پر سود لینے کے بجائے کسی حقیقی اثاثے کے استعمال کے حق کے بدلے معاوضے کا معاملہ ہے۔ اسی وجہ سے جدید اسلامی مالیات میں اجارہ کو مختلف مالیاتی ضروریات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔[28]

زکوٰۃ، عشر اور بیت المال: دولت کی گردش

اسلامی معاشی نظام میں زکوٰۃ دولت کی تقسیم اور معاشرتی فلاح کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ قرآن مجید نے زکوٰۃ کے مستحقین کو واضح طور پر بیان کیا ہے:

"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا۔۔الآية"[29]

بیشک صدقات فقراء، مساکین اور دیگر مقررہ مستحقین کے لیے ہیں۔

اس طرح زکوٰۃ صرف ایک انفرادی عبادت نہیں بلکہ اس کے معاشرتی اور معاشی اثرات بھی ہیں۔ یہ مال دار طبقے کے مال میں سے ایک مقررہ حصہ معاشرے کے مستحق افراد تک پہنچانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا یہ اصول کہ مال صرف مال داروں کے درمیان گردش نہ کرے دولت کی منصفانہ گردش کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ عشر بھی اسلامی مالیاتی نظام کا ایک اہم حصہ ہے۔ زرعی پیداوار پر مقررہ شرعی اصولوں کے مطابق عشر یا نصف عشر کی ادائیگی کا حکم احادیث میں ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو زمین بارش یا قدرتی پانی سے سیراب ہو اس کی پیداوار میں عشر اور جسے محنت اور خرچ سے پانی دیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔ اس نظام کا مقصد زرعی پیداوار میں سے ایک مقررہ حصہ معاشرتی ضرورتوں اور مستحقین تک پہنچانا ہے۔[30]

اسلامی تاریخ میں بیت المال ریاستی مالیات کا ایک اہم ادارہ تھا۔ اس میں ریاست کو حاصل ہونے والی مختلف جائز آمدنی جمع ہوتی اور ضرورت کے مطابق عوامی اور ریاستی امور پر خرچ کی جاتی۔ ابتدائی اسلامی دور میں زکوٰۃ، خراج، جزیہ اور دیگر مالی وسائل کے نظم و استعمال کے لیے واضح اصول موجود تھے۔ اس لیے بیت المال کو صرف جدید بینک کا متبادل کہنا درست نہیں یہ اس سے زیادہ وسیع ریاستی مالیاتی ادارہ

تھا۔ البتہ اسلامی ریاست میں عوامی مالی وسائل کے منصفانہ استعمال اور کمزور طبقات کی کفالت کے لیے اس کا اہم کردار تھا۔

عدل پر مبنی تجارت اور معاشی خود انحصاری

اسلام نے تجارت اور معاشی سرگرمی کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس میں دھوکا، ظلم، خیانت اور ناجائز طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ"[31]

اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام تجارت اور منافع کو رد نہیں کرتا بلکہ اسے رضامندی، دیانت اور جائز طریقے کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ اسلام میں بازار کو مکمل طور پر آزاد چھوڑنے کے بجائے اخلاقی اور شرعی اصولوں کا پابند بنایا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دھوکا دہی سے منع فرمایا اور فرمایا:

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔[32]

جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔

اسی طرح ذخیرہ اندوزی اور مصنوعی قلت پیدا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی بازار میں تجارت کی آزادی کے ساتھ صارف، تاجر اور معاشرے کے حقوق کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اسلامی معاشی فکر میں معاشی خود انحصاری کو بھی اہمیت دی جاسکتی ہے لیکن اسے اس انداز میں بیان کرنا زیادہ درست ہے کہ اسلام مسلمانوں کو محنت، پیداوار، تجارت، زراعت اور جائز معاشی سرگرمیوں میں فعال ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ"[33]

اللہ ہی نے تمہارے لیے زمین کو نرم اور قابلِ استعمال بنایا پس اس کے راستوں میں چلو اور اللہ کا رزق کھاؤ۔

اس سے یہ اصول اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام محنت، پیداوار اور معاشی جدوجہد کو پسند کرتا ہے۔ تاہم ہر قسم کی بیرونی تجارت یا غیر ملکی سرمایہ کاری کو اسلام خود بخود ناجائز قرار نہیں دیتا۔ اصل معیار یہ ہے کہ معاملہ جائز ہو ظلم اور استحصال پر مبنی نہ ہو اور مسلمانوں یا معاشرے کے جائز مفادات کو نقصان نہ پہنچائے۔

اسلامی معاشی نظام میں بعض وسائل کو اجتماعی یا عوامی مفاد سے بھی جوڑا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: الْمَاءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ" [34]

مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، چراگاہ اور آگ۔

فقہاء نے اس حدیث سے عوامی ضرورت کی بعض بنیادی چیزوں میں اجتماعی حق اور مصلحت کے اصول اخذ کیے ہیں۔ اس بنا پر قومی وسائل کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان کے استعمال میں صرف چند افراد کا فائدہ نہیں بلکہ عمومی مصلحت کو بھی سامنے رکھا جائے۔ البتہ ہر سرکاری یا قومی اثاثے کی نجکاری کو مطلقاً حرام قرار دینا درست نہیں اس کا حکم اس اثاثے کی نوعیت، عوامی ضرورت، طریقۂ نجکاری اور شرعی مصلحت کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔

اسلامی اقتصادی منصوبہ بندی کا عملی خاکہ

اسلامی اقتصادی نظام کے اصولوں کو موجودہ دور میں عملی شکل دینے کے لیے صرف نظری بحث کافی نہیں بلکہ ایسے ادارہ

جاتی اور پالیسی اقدامات کی ضرورت ہے جو اسلامی اصولوں کو جدید معاشی تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کر سکیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم قدم اسلامی بینکاری اور تکافل کے اداروں کو مضبوط بنانا ہے۔ اسلامی بینکاری میں مضاربہ، مشارکہ، مرابحہ، اجارہ اور دیگر شرعی مالیاتی طریقوں کو مؤثر انداز میں استعمال کیا جاسکتا ہے جبکہ تکافل باہمی تعاون اور خطرے کی اجتماعی تقسیم پر مبنی متبادل فراہم کرتا ہے۔ اس کے لیے صرف اسلامی بینک قائم کرنا کافی نہیں بلکہ مناسب قانون سازی، مضبوط شرعی نگرانی، شفافیت، صارفین کے حقوق کا تحفظ اور مالیاتی استحکام بھی ضروری ہے۔ اسلامی مالیاتی صنعت کی عالمی سطح پر موجودگی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس شعبے میں مزید ترقی کی گنجائش موجود ہے۔ دوسرا اہم قدم زکوٰۃ اور عشر کے نظام کو مؤثر، شفاف اور منظم بنانا ہے۔ زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید نے متعین کیے ہیں اور ان میں فقراء، مساکین اور دیگر مستحق طبقات شامل ہیں۔ اس لیے جدید ریاستوں میں زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے نظام کو جدید ڈیجیٹل ٹیکنالوجی، مستحقین کے درست ڈیٹا، شفاف حسابات اور مؤثر نگرانی کے ذریعے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ تاہم زکوٰۃ کو غربت کے خاتمے کا واحد ذریعہ سمجھنا درست نہیں غربت میں کمی کے لیے روزگار، تعلیم، صحت، ہنر مندی اور پیداواری سرمایہ کاری کی پالیسیوں کے ساتھ زکوٰۃ کے نظام کو مربوط کرنا زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے۔

تیسرا اہم میدان اسلامی ترقیاتی مالیات میں بین الاقوامی تعاون ہے۔ مسلم ممالک اپنے باہمی مالیاتی اور تجارتی تعلقات میں اسلامی مالیاتی اداروں کا کردار بڑھا سکتے ہیں۔ اسلامی ترقیاتی بینک اس حوالے سے ایک اہم مثال ہے جو رکن ممالک میں ترقیاتی منصوبوں اور اسلامی مالیات کے فروغ کے لیے کام کرتا ہے۔ اس تعاون کو مزید بڑھانے کے لیے مشترکہ سرمایہ کاری، بنیادی ڈھانچے کے منصوبوں، اسلامی بانڈز، تجارت کی مالی معاونت اور چھوٹے و درمیانے کاروباروں کے لیے شرعی مالیاتی سہولیات جیسے شعبوں پر توجہ دی جاسکتی ہے۔ اس کا مقصد عالمی مالیاتی نظام سے مکمل علیحدگی نہیں بلکہ مالیاتی ذرائع میں تنوع پیدا کرنا اور غیر ضروری انحصار کو کم کرنا ہونا چاہیے۔

چوتھا اہم قدم مقامی صنعتی اور پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہے۔ ترقی پذیر ممالک کے لیے معاشی خود مختاری کا ایک اہم راستہ یہ ہے کہ وہ صرف خام مال برآمد کرنے کے بجائے اپنی صنعتی، تکنیکی اور تحقیقی صلاحیت کو ترقی دیں۔ زرعی اجناس، معدنیات اور دیگر قدرتی وسائل کو مقامی سطح پر پراسیس کر کے تیار شدہ مصنوعات میں تبدیل کرنے سے برآمدات کی قدر میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے تعلیم، فنی تربیت، تحقیق، ٹیکنالوجی، بنیادی ڈھانچے اور چھوٹی و درمیانی صنعتوں کی ترقی پر سرمایہ کاری ضروری ہے۔ عالمی بینک نے بھی عالمی قدر کی زنجیروں میں ترقی پذیر ممالک کی شمولیت کو معاشی ترقی کے اہم ذرائع میں شمار کیا ہے۔

پانچواں اقدام عالمی مالیاتی اداروں میں ترقی پذیر ممالک کی بہتر نمائندگی کے لیے مشترکہ کوششیں ہیں۔ IMF، عالمی بینک اور دیگر عالمی اداروں میں ووٹنگ کے نظام اور فیصلہ سازی میں بعض بڑے ممالک کا اثر نسبتاً زیادہ ہے۔ مسلم اور دوسرے ترقی پذیر ممالک باہمی تعاون کے ذریعے ان اداروں میں زیادہ مؤثر نمائندگی، منصفانہ تجارتی قواعد، ترقیاتی مالیات اور قرض کے معاملات میں بہتر شرائط کے لیے مشترکہ سفارتی کوششیں کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے محض سیاسی اتحاد کافی نہیں بلکہ مشترکہ معاشی تحقیق اور مستقل پالیسی تعاون بھی ضروری ہوگا۔

چھٹا اہم شعبہ تعلیم، تحقیق اور معاشی شعور ہے۔ اسلامی اقتصادیات کو صرف ایک نظری یا تاریخی مضمون کے طور پر پڑھانے کے بجائے اس کے اصولوں، جدید مالیاتی نظام، اسلامی بینکاری، زکوٰۃ، وقف، تکافل اور جدید معاشی مسائل کے ساتھ جوڑ کر تحقیق کی ضرورت ہے۔ جامعات، تحقیقی اداروں اور پالیسی ساز اداروں کے درمیان تعاون کے ذریعے ایسے معاشی ماڈل تیار کیے جاسکتے

ہیں جو اسلامی اصولوں کے ساتھ ساتھ موجودہ عالمی معیشت کے عملی تقاضوں کو بھی سامنے رکھیں۔ اس طرح اسلامی اقتصادیات محض نظری بحث کے بجائے پالیسی سازی اور معاشی منصوبہ بندی میں بھی اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔

ان اقدامات کو کامیاب بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسلامی اقتصادی نظام کو صرف سرمایہ دارانہ نظام کے رد عمل کے طور پر پیش نہ کیا جائے بلکہ اس کے اپنے اصولوں، مقاصد اور عملی صلاحیتوں کو واضح کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ جدید معیشت پیچیدہ اور عالمی سطح پر باہم مربوط ہے اس لیے کسی ایک ملک یا مسلم دنیا کے لیے فوری طور پر موجودہ عالمی مالیاتی نظام سے مکمل علیحدگی عملی طور پر آسان نہیں۔ زیادہ قابلِ عمل راستہ یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی اداروں، مقامی پیداوار، علاقائی تجارت اور باہمی سرمایہ کاری کو بتدریج مضبوط کیا جائے۔

حاصلِ بحث

اس مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جدید عالمی اقتصادی نظام متعدد مالیاتی، تجارتی اور ادارہ جاتی اجزا پر مشتمل ہے۔ روایتی بینکاری، سودی قرض، مالیاتی منڈیاں، کارپوریشنیں، عالمی تجارت اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے اس نظام کے اہم حصے ہیں۔ اس نظام نے عالمی تجارت، سرمایہ کاری، صنعتی ترقی اور ٹیکنالوجی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ دولت کی غیر مساوی تقسیم، معاشی طاقت کے ارتکاز، قرض پر انحصار اور ترقی یافتہ و ترقی پذیر ممالک کے درمیان معاشی فرق جیسے مسائل بھی موجود ہیں۔ اس لیے سرمایہ دارانہ نظام کا جائزہ یک طرفہ انداز میں کرنے کے بجائے اس کے معاشی فوائد اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل دونوں کو سامنے رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ اسی طرح اشتراکیت نے سرمایہ دارانہ نظام میں موجود طبقاتی تفاوت اور دولت کے ارتکاز کے خلاف ایک مضبوط تنقید پیش کی لیکن عملی سطح پر مکمل ریاستی ملکیت، مرکزی معاشی منصوبہ بندی اور محدود نجی معاشی آزادی نے متعدد ممالک میں معاشی کارکردگی، پیداوار اور فرد کی معاشی آزادی سے متعلق مسائل پیدا کیے۔ اس تاریخی تجربے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ صرف نجی ملکیت یا صرف ریاستی ملکیت کو معاشی مسائل کا مکمل حل سمجھنا کافی نہیں۔ ایک مؤثر اقتصادی نظام کے لیے ملکیت، پیداوار، منڈی، ریاستی نگرانی، سماجی ذمہ داری اور دولت کی منصفانہ تقسیم کے درمیان مناسب توازن ضروری ہے۔

اسلامی اقتصادی نظام اس بحث میں اس اعتبار سے اہم ہے کہ وہ نجی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے اخلاقی اور شرعی ذمہ داری سے وابستہ کرتا ہے تجارت اور منافع کی اجازت دیتے ہوئے سود اور ناجائز استحصال کو ممنوع قرار دیتا ہے اور دولت کی گردش کے لیے زکوٰۃ، صدقات، وراثت اور دیگر مالیاتی احکام مقرر کرتا ہے۔ قرآن مجید کا اصول ہے: یعنی مال صرف مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ اس بنا پر اسلامی اقتصادی نظام کو ایک ایسے متبادل فریم ورک کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جو معاشی سرگرمی کو اخلاق، عدل اور اجتماعی ذمہ داری کے ساتھ جوڑتا ہے۔ تاہم اس تحقیق کا ایک اہم نتیجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی اقتصادی نظام کی نظریاتی برتری کا دعویٰ اس وقت زیادہ مضبوط ہوگا جب اس کے عملی ماڈل، ادارے اور نتائج بھی تحقیق اور تجربے سے ثابت کیے جائیں۔ صرف اسلامی بینک، تکافل یا زکوٰۃ کے اداروں کا موجود ہونا کافی نہیں ان اداروں کی کارکردگی، شفافیت، معاشی استحکام، غربت میں کمی اور دولت کی منصفانہ تقسیم کے اثرات کا مسلسل جائزہ بھی ضروری ہے۔ اس لیے اسلامی اقتصادیات کے مستقبل کی کامیابی کا انحصار ایسے عملی ماڈل تیار کرنے پر ہے جو شرعی اصولوں کے ساتھ جدید معاشی ضروریات کو بھی پورا کر سکیں۔

سفارشات

1. اسلامی مالیاتی نظام کو مضبوط کیا جائے: مسلم ممالک اسلامی بینکاری، تکافل، مضاربہ اور مشارکہ جیسے مالیاتی طریقوں کو

مضبوط بنانے کے لیے مناسب قانونی اور ادارہ جاتی ماحول پیدا کریں۔

2. زکوٰۃ کے نظام کو شفاف بنایا جائے: زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم میں جدید ڈیجیٹل نظام، مستحقین کے درست اعداد و شمار اور آزادانہ نگرانی کا انتظام کیا جائے تاکہ زکوٰۃ حقیقی مستحقین تک مؤثر انداز میں پہنچ سکے۔
3. پیداواری معیشت کو ترجیح دی جائے: مسلم ممالک خام مال کی برآمد پر زیادہ انحصار کم کر کے صنعتی پیداوار، زرعی ترقی، برآمدی صنعت، فنی تعلیم اور ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری بڑھائیں۔
4. تحقیق اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جائے: جامعات، تحقیقی اداروں اور صنعت کے درمیان تعاون بڑھایا جائے تاکہ مسلم ممالک اعلیٰ قدر کی مصنوعات اور جدید ٹیکنالوجی میں اپنی صلاحیت پیدا کر سکیں۔
5. علاقائی معاشی تعاون بڑھایا جائے: مسلم ممالک باہمی تجارت، مشترکہ سرمایہ کاری، اسلامی مالیات اور ترقیاتی منصوبوں کے ذریعے ایک دوسرے پر اعتماد اور معاشی تعاون کو فروغ دیں۔
6. عالمی مالیاتی اداروں میں مؤثر نمائندگی کے لیے مشترکہ کوشش کی جائے: ترقی پذیر ممالک IMF، عالمی بینک اور عالمی تجارتی اداروں میں زیادہ منصفانہ نمائندگی اور پالیسی سازی میں مؤثر آواز کے لیے مشترکہ حکمتِ عملی اختیار کریں۔
7. اسلامی اقتصادیات کو عملی پالیسی سے جوڑا جائے: جامعات اور تحقیقی اداروں میں اسلامی اقتصادیات کو صرف موضوع کے طور پر نہیں بلکہ جدید مالیات، غربت، بے روزگاری، مہنگائی، قرض، تجارت اور معاشی عدم مساوات کے عملی مسائل کے حل کے تناظر میں پڑھایا جائے اور اس پر تحقیق کی جائے۔

مختصر یہ کہ موجودہ عالمی اقتصادی نظام نے اگرچہ پیداوار، تجارت، سرمایہ کاری اور ٹیکنالوجی کے میدان میں غیر معمولی ترقی پیدا کی ہے لیکن اس کے ساتھ معاشی عدم مساوات، دولت کے ارتکاز اور کمزور معیشتوں کے بیرونی انحصار جیسے مسائل بھی نمایاں ہیں۔ اسلامی اقتصادی نظام ان مسائل کے مقابلے میں عدل، ذمہ دارانہ ملکیت، سود کی حرمت، حقیقی تجارت، دولت کی گردش اور اجتماعی فلاح پر مبنی ایک متبادل فکری بنیاد فراہم کرتا ہے۔ تاہم اس متبادل کو مؤثر بنانے کے لیے نظری اصولوں کے ساتھ ایسے عملی، شفاف اور جدید ادارے تشکیل دینا ضروری ہیں جو ان اصولوں کو موجودہ عالمی معیشت کے تقاضوں کے مطابق نافذ کر سکیں۔

اس مقالہ میں سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصول، اس کے عملی اداروں اور عالمی معیشت پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ سرمایہ داری نے صنعتی ترقی، تجارت اور تکنیکی جدت کو فروغ دیا لیکن اس کے ساتھ دولت کے ارتکاز، معاشی عدم مساوات، سودی قرض اور ترقی پذیر ممالک کے بیرونی انحصار جیسے مسائل بھی پیدا ہوئے۔ عالمی مالیاتی اداروں اور غیر مساوی تجارتی نظام نے بعض کمزور معیشتوں کی مشکلات میں اضافہ کیا اگرچہ ان مسائل میں داخلی معاشی کمزوریاں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں اسلامی اقتصادی نظام نجی ملکیت، جائز تجارت اور معاشی آزادی کو تسلیم کرتے ہوئے سود، دھوکے اور ناجائز استحصال کی ممانعت کرتا ہے، جبکہ زکوٰۃ، عشر، صدقات اور دولت کی منصفانہ گردش کے ذریعے اجتماعی فلاح کو اہمیت دیتا ہے۔ آرٹیکل کا بنیادی نتیجہ اسلامی اقتصادی نظام کو محض سرمایہ داری کی مخالفت کے طور پر نہیں بلکہ عدل، معاشی ذمہ داری، سود سے پاک مالیات اور منصفانہ دولت کی تقسیم پر مبنی ایک متبادل اقتصادی فریم ورک کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس کے عملی نفاذ کے لیے اسلامی مالیاتی اداروں کا فروغ، زکوٰۃ کے مؤثر نظام، صنعتی و تکنیکی خود انحصاری، باہمی معاشی تعاون اور جدید حالات سے ہم آہنگ مؤثر اداروں کی تشکیل ضروری ہے۔

References

----

1. ʿUthmānī, Muḥammad Taqī, *Hamārā Maʿāshī Niẓām* (Karachi: Dār al-ʿUlūm Karachi, 2018), pp. 20–35.
2. ʿUthmānī, Muḥammad Taqī, *Islām aur Jadīd Maʿāshī Masāʾil* (Karachi: Maktabah Dār al-ʿUlūm Karachi, 2011), vol. 1, p. 85.
3. Ibid., p. 91.
4. Chapra, Muḥammad ʿUmar, *Islām aur Maʿāshī Taraqqī* (Karachi: Dār al-Ishāʿat, 2000), p. 214.
5. ʿAbd al-Jabbār, Muḥammad, *Maʿāshiyāt aur Islām* (Lahore: Islāmī Academy, n.d.), pp. 80–90.
6. Smith, Adam, *The Wealth of Nations*, Book V, p. 484.
7. Marx, Karl, and Friedrich Engels, *Manifesto of the Communist Party* (London: John E. W. Harrison, 1848), Part I, p. 14.
8. Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, *Islām aur Jadīd Maʿāshī Naẓariyāt* (Lahore: Islamic Publications, 1969), p. 47.
9. ʿUthmānī, *Islām aur Jadīd Maʿāshī Masāʾil*, vol. 1, p. 112.
10. Anṣārī, Jāvid Akbar, *Sarmāyah Dārānah Niẓām: Ek Taʿāruf* (Lahore: Kitāb Maḥal, 2010), p. 38.
11. Al-Qurʾān, 2:275.
12. ʿUthmānī, *Islām aur Jadīd Maʿāshī Masāʾil*, vol. 1, p. 245.
13. Ibid., p. 252.
14. Ibid., p. 268.
15. Stiglitz, Joseph E., and Jay K. Rosengard, *Economics of the Public Sector*, 4th ed. (New York: W. W. Norton & Company, 2015), p. 421.
16. Abū Yūsuf, Yaʿqūb ibn Ibrāhīm al-Anṣārī, *Kitāb al-Kharāj* (Beirut: Dār Ṣādir, 1996), vol. 1, pp. 88–89.
17. Bank for International Settlements, *Triennial Central Bank Survey: Foreign Exchange Turnover in April 2022* (Basel: BIS, 2022), p. 6.
18. World Trade Organization, *Understanding the WTO* (Geneva: World Trade Organization, 2015), p. 18.
19. OECD, *G20/OECD Principles of Corporate Governance* (Paris: OECD Publishing, 2023), p. 19.
20. Insurance Information Institute, *Insurance Handbook* (New York: Insurance Information Institute, 2018), p. 75.
21. ʿUthmānī, *Islām aur Jadīd Maʿāshī Masāʾil*, vol. 1, p. 389.
22. Stiglitz, Joseph E., *Globalization and Its Discontents* (New York: W. W. Norton & Company, 2002), p. 195.
23. Abū Yūsuf, *Kitāb al-Kharāj*, vol. 1, p. 156.
24. Al-Qurʾān, 4:32.
25. Al-Qurʾān, 24:33.
26. Al-Qurʾān, 59:7.
27. ʿUthmānī, *Islām aur Jadīd Maʿāshī Masāʾil*, vol. 1, p. 438.
28. Ibid., p. 472.
29. Al-Qurʾān, 9:60.
30. Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl ibn Ibrāhīm ibn al-Mughīrah al-Juʿfī, *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ* (Riyadh: Dār Ṭawq al-Najāh, 2001), Kitāb al-Zakāh, Bāb: al-ʿUshr fīmā Yusqā min Māʾ al-Samāʾ, ḥadīth no. 1483.
31. Al-Qurʾān, 4:29.
32. Muslim, Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī al-Naysābūrī, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Riyadh: Dār al-Mughnī, 2006), Kitāb al-Īmān, ḥadīth no. 101.
33. Al-Qurʾān, 67:15.
34. Abū Dāwūd, Sulaymān ibn al-Ashʿath ibn Isḥāq al-Sijistānī, *Sunan Abī Dāwūd* (Beirut: al-Maktabah al-ʿAṣriyyah, 2009), Kitāb al-Ijārah, Bāb: Fī Manʿ al-Māʾ, ḥadīth no. 3477**.**